© rasailojaraid.com

اسلامی تمدّن

(۴)

جناب مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

(د) تمدنی لباس کے سلسلہ میں مسطورہ بالا حدود و شرائط مستقل حیثیت رکھتی ہیں جن کو عذر شرعی کے علاوہ کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ان کے علاوہ بعض ایسی شرائط بھی ہیں جو کسی عارض کی وجہ سے عائد اور لازم کی جاتی ہیں۔

یعنی "اسلامی تمدن" بعض حالات کے پیش نظر کسی خاص لباس کی خاص ہیئت وصورت کو ایسی حالت میں بھی ممنوع قرار دیتا ہے کہ اس میں اگرچہ مسطورہ بالا وجوہ نہ پائی جاتی ہوں مگر عارض کی وجہ سے اس پر منع وارد ہو جاتا ہے اور اسی لئے جب وہ عارض جاتا رہتا ہے تو اس لباس سے یہ ممانعت بھی اٹھ جاتی ہے۔ غرض یہ ممانعت عارضی ہوتی ہے اور جب وہ حالات باقی نہیں رہتے جن کی وجہ سے ممانعت کی گئی تھی تب وہ ممنوع کے دائرہ سے باہر ہو جاتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خارجی اثرات کی راہ سے کسی لباس پر دو طرح سے اثر پڑتا ہے ایک یہ کہ وہ کسی مذہب کا شعار ہو اور اس کا استعمال کسی خاص مذہب کے پیرو ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ اگرچہ مذہبی شعار نہیں ہے مگر کسی غیر مسلم قوم کا قومی شعار ہے اور اس کا استعمال کرنے والا کسی غیر مسلم قوم کا فرد سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلی صورت کے متعلق تو ہم اسلامی تمدن کے بنیادی اصول میں بحث کر آئے ہیں کہ ایسے لباس کو جو کہ کسی مذہب کا خاص شعار ہو اسلامی تمدن میں برداشت نہیں کیا جا سکتا اور حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"من تشبہ بقوم فھو منھم" کا اصل مصداق یہی صورت ہے۔

اسی طرح دوسری صورت ہو یعنی یہ کہ اگر کوئی لباس یا اس کی خاص شکل وصورت اور وضع و قطع ایسی ہو کہ جب کوئی مسلمان اس کو استعمال کرے تو مسلمانوں کی نگاہوں اور دوسرے لوگوں کی نگاہوں میں بھی یہ کھٹک پیدا کرتا ہو کہ یہ شخص شاید فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہ لباس کسی خاص قوم کا قومی شعار سمجھا جاتا ہے تو جب تک کسی ملک میں اس لباس یا وضع وقطع لباس کے متعلق یہ صورت حال باقی رہے گی اس وقت تک وہ لباس مسلمانوں کے لئے ممنوع رہیگا۔ البتہ جب وہ اس ملک یا دوسرے ملکوں میں اس درجہ رواج پا جائے یا مختلف خارجی وجوہ کی بِنا پر دوسرے ملکوں کے مسلمانوں میں اس درجہ عام ہو جائے کہ کسی خاص غیر مسلم قوم کا قومی شعار نہ رہے تو چونکہ اس لباس میں اسلامی تمدن کی مستقل وجوہ ممانعت میں سے کوئی وجہ نہیں پائی جاتی اس لئے اس کا استعمال ممنوع نہیں رہیگا۔

اور اگر کسی ملک کا ایسا لباس ہے جو اگرچہ خاص اسی ملک کی ایجاد اور پوشش سمجھی جاتی ہے لیکن درحقیقت وہ نہ تو کسی کا مذہبی شعار ہے اور نہ کسی غیر مسلم قوم کا قومی امتیازی نشان تو اس کا استعمال بغیر کسی کراہت اور ناپسندیدگی کے قطعاً جائز ہے اور محض اس لئے کہ وہ غیر مسلم ملک یا قوم کی ایجاد یا ان کی پوشش ہے ہرگز ممنوع نہیں ہو سکتا۔

مثلاً ایک مسلمان اگر ایسا لباس استعمال کرتا ہے جس پر صلیب کے نشانات بطور تقدس کے منقوش ہیں یا بطور نشان کے صلیب کو اس لباس کا جزء بنایا گیا ہے۔ یا "ٹائی" کو اس طرح باندھتا ہے کہ وہ متعارف صلیب کی شکل بن جاتی ہے جیسا کہ یورپین لباس میں اکثر ٹائی کی بندش اس طرح کی ہوتی ہے۔ یا عیسائی عبادت کے اوقات کے کسی خاص لباس کو پہنتا ہے نیز ایسا لباس پہنتا ہے جس پر ہندو اوتاروں، دیوتاؤں اور دیویوں کی تصاویر منقوش ہیں یا زنار اس لباس کا جزء بنا ہوا ہے تو یہ اور اسی قسم کے تمام لباس کا استعمال حرام ہوگا اور کسی حال میں بھی تمدن اسلامی میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اگر ایک مسلمان مثلاً "فلٹ کیپ" اوڑھتا اور انگریز کے پردہ کو اس جانب کھلا رکھتا ہے جو ہندوؤں کا طریقہ ہے یا ہیٹ لگاتا ہے تو یہ لباس یا پوشش کا یہ طرزِ مخصوص اس وقت تک ممنوع رہے گا جب تک کہ ہندو یا عیسائی اس کو اپنا قومی شعار اور قومی نشان بنائے۔ اور جب یہ صورتِ حال باقی نہ رہے اور وہ قومی امتیاز جاتا رہے تو پھر اس کو ممنوع نہ کہا جائیگا کیونکہ جو عارض تھا وہ باقی نہ رہا۔

اور اگر "مسلمان" نے عیسائیوں یا ہندوؤں یا دوسری غیر مسلم قوموں کا ایجاد کردہ ایسا لباس استعمال کیا جو شروع ہی سے نہ ان کا مذہبی شعار رہا ہے اور نہ قومی نشان بلکہ محض ملکی لباس سمجھا جاتا ہے تو اس کا استعمال بغیر کسی کراہت کے درست ہے اور وہ اسلامی تمدنی لباس میں شامل ہو سکتا ہے اور اس پر حدیث "من تشبہ بقوم فھو منھم" کا اطلاق نہیں کیا جائیگا۔

کیونکہ اس قسم کے لباس کا استعمال خود عہد نبوت میں بھی ثابت ہے۔ مثلاً "شلوار" کا استعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس کیا ہے حالانکہ وہ ایران کے مجوسیوں کی ایجاد تھا اور عرب اس وقت تک صرف تہ بند (تہمد) ہی پہنتے تھے اور اسی بنا پر عربی لغت میں لفظ "ازار" تو موجود تھا۔ جس کا اطلاق تہمد پر ہوتا تھا مگر پائجامہ کے لئے جو کہ خاص قسم کے قطع و برید سے وجود پذیر ہوتا ہے لغتِ عرب میں کوئی نام نہیں تھا اور اس لئے اہلِ عرب نے جب اُس زمانہ کے ایرانی پائجامہ "شلوار" کو اپنے یہاں رائج کیا تو ساتھ ہی اس کے نام کی بھی تعریب[1] کر کے اس کو "سراویل" کہنے لگے اور سراویل کے جمع اور مفرد ہونے میں نحویوں کا یہی مسلک صحیح ہے کہ یہ درحقیقت جمع کا صیغہ نہیں ہے بلکہ تعریب کی صورت میں غیر عربی لفظ کو جمع کے وزن پر معرب کر لیا گیا ہے اور "سروالہ" کو مفرد مان کر بعض "سراویل" کو جمع کہنا محض تکلف بارد اور فرضی بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ اب لغت عرب میں لفظ ازار عام ہے اور ہر اس لباس کو کہتے ہیں جو اسفل بدن کے لئے

---

[1] کسی غیر عربی زبان کے لفظ کو عربی سانچہ میں ڈھال لینے کا نام تعریب ہے اور اس لفظ کو "معرب" کہتے ہیں زندہ زبانوں میں ہمیشہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتر ہو اور سراویل فقط پائجامہ ہی کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

چنانچہ صحیح حدیث میں تصریح ہے کہ ایرانی مال کی سب سے بڑی منڈی جو کہ بحرین کے شہر "ہجر" میں واقع تھی وہاں سے ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں کپڑا آیا تو اس میں "سراویل" (شلوار) بھی تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو پسند فرما کر خرید فرمایا۔

عن سوید بن قیس قال جلبت	سوید بن قیس کہتے ہیں کہ میں اور مخرمہ عبیدی
انا ومخرمۃ العبدی بزاً من ھجر	کپڑوں کی ایک گٹھری ہجر سے مکہ میں بغرض
فاتینا بہ مکۃ فجاءنا النبی	تجارت لائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے
صلی اللہ علیہ وسلم فساومنا	پاس تشریف لائے اور ایک پائجامہ (شلوار)
بسراویل فبعناہ ووزن ثمنہ	کا بھاؤ کیا پس ہم نے اس کو آپ کے ہاتھ اصل
وقال للذی یزن یمان وارجح۔	قیمت پر فروخت کر دیا اور تولنے والے سے
(اصحاب السنن)	کہا ذرا جھکتا ہوا تول۔

اور معجم اوسط اور مسند موصلی نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے۔

قلت یارسول اللہ وانک	میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اور سراویل
لتلبس السراویل؟ قال اجل	(شلوار) پہنتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا! بیشک
فی السفر والحضر وباللیل و	سفر میں حضر میں رات اور دن میں ہر وقت پہنتا
النھار فانی امرت بالستر	ہوں اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو حکم کیا ہے
فلم اجد شیئاً استر منہ۔	کہ میں "ستر" کا پورا لحاظ رکھوں پس میں نے اس سے
	زیادہ ساتر دوسری چیز کو نہیں پایا۔

حضرت ابوہریرہ کا استعجاب اسی بنا پر تھا کہ یہ (سراویل) عرب خصوصاً مسلمانانِ عرب کا لباس نہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ ایران کے مجوس کا لباس ہے پھر آپ اس کو پہنتے ہیں؟ حالانکہ آپ کا ارشاد مبارک ہے" من تشبہ بقوم فھو منھم" چنانچہ ذات قدسی صفات نے جو جواب مرحمت فرمایا وہ لباس سے متعلق تمدن اسلام کے لئے زبردست اساس و بنیاد ہے اور ساتھ ہی احادیث تشبہ کی صحیح حیثیت پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں وہی لباس ممنوع ہوں گے اور تشبہ کی انواع میں داخل سمجھے جائیں گے جو غیر مسلم اقوام کے مذہبی یا قومی شعار و نشان سمجھے جاتے ہوں لیکن لباس کے وہ انواع یا قطع و برید کی وہ اقسام جو اگرچہ غیر مسلموں ہی کی ایجاد ہوں مگر اسلامی نقطۂ نگاہ سے ...... نقائص سے خالی ہوں تو ان کا استعمال بلاشبہ درست ہے اور اگر وہ اسلامی تمدنی لباس کے مقاصد کے لئے ممد و معاون ہوتے ہوں تو نہ صرف درست بلکہ ان کا اختیار کرنا پسندیدہ ہے۔

البتہ یہ حقیقت بھی واضح رہنی چاہیے کہ اگر ایک مسلمان کسی غیر مسلم قوم کا ایسا اختراعی لباس پہنتا ہے جو اس غیر مسلم قوم کا مذہبی یا قومی شعار اور امتیاز نہیں ہے تو ایسے لباس کے استعمال کی اسلامی تمدن میں اس حد کے اندر اجازت دی جائے گی کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی پوشش کو غیر مسلم قوم کی تقلید کے سانچے میں اس طرح نہ ڈھال لے کہ بس وضع و قطع کے سوا دوسرے ایسے لباسوں کو جو اسلامی نقطۂ نگاہ کے حدود میں رہ کر صدیوں سے مسلمانوں کی پوشش رہے ہیں" بہ نظر حقارت دیکھنے لگے اور صرف اسی پوشش کو اپنا امتیاز بنالے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ خود کو جمہور مسلمانوں کے تمدنی لباس کے مقابلہ میں دوسروں کے امتیازی تمدن کو برتری دیتا ہے اور یہ ناپسندیدہ امر ہے۔ چنانچہ مسند احمد اور معجم طبرانی کی ایک حدیث میں اسی اصول کو بیان کیا گیا

عن ابی امامۃ قلنا یا رسول اللہ ان	حضرت ابو امامہ (باہلی) فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک
اھل الکتاب یتسرولون ولا یاتزرون	مرتبہ خدمت اقدس میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ
فقال صلی اللہ علیہ وسلم	اہل کتاب سراویل (پاجامہ) پہنتے ہیں اور ازار
تسرولوا واتزروا وخالفوا	(تہبند) نہیں باندھتے تو آپ نے ارشاد فرمایا تم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اھل الکتاب - پائجامہ بھی پہنو اور تہ بند بھی باندھو اور اہلِ کتاب

(مسند احمد) کی مخالف روش اختیار کرو۔

اس حدیث نے مسطورہ بالا مسئلہ کو اور تشبہ و عدم تشبہ کی حقیقت کو بھی بخوبی واضح کر دیا اور یہ اس لئے کہ سائل کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ اہل کتاب نے لباس کے معاملہ میں اپنا یہ امتیازی نشان بنا لیا ہے کہ وہ تہ بند نہیں باندھتے اور صرف پائجامہ ہی پہنتے ہیں تو ہم ان کے امتیاز کے خلاف کیا صورت اختیار کریں؟ اور غالباً ان کے اپنے خیال میں یہ بات آتی تھی کہ ہم یہ امتیاز کر لیں کہ صرف تہ بند ہی باندھا کریں اور پائجامہ نہ پہنیں اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مفید لباس کا استعمال خواہ وہ دوسری قوموں ہی کا لباس ہو ممنوع نہیں ہے البتہ اس امتیاز کی مخالفت ضروری ہے جس کو غیر مسلم قوم نے اپنا مذہبی یا قومی امتیاز بنا لیا ہے۔ پس اس مقام پر تمہارے لئے یہ امتیاز کافی ہے کہ تم پائجامہ اور تہ بند دونوں لباس پہنا کرو جبکہ وہ تہ بند پہننے کو برا سمجھتے اور اپنے امتیاز کے خلاف جانتے ہیں۔ اسی طرح ابو داؤد کی ایک صحیح حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

فرق ما بیننا و بین المشرکین ہمارے (مسلمانوں کے) اور مشرکین (عرب) کے درمیان

العمائم علی القلانس۔ یہ امتیاز ہے کہ ہم عمامہ کو ٹوپی پر باندھتے ہیں۔

یعنی "عمامہ" اہل عرب کا تمدنی لباس تھا اور مسلمان، مشرکین، نصاریٰ، یہود (تمام اہلِ عرب) عمامہ باندھتے تھے مگر اسلامی تمدن نے اس میں یہ امتیاز پیدا کر لیا کہ مسلمان ہمیشہ ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھا کریں کیونکہ مشرکینِ عرب عریاں سر پر عمامہ باندھنے کے عادی تھے۔

غرض ان روایات نے اس حقیقت کو بخوبی روشن کر دیا کہ لباس سے متعلق تمدنِ اسلامی کا یہ اہم نظریہ ہے کہ مسلمان اگر ایسے لباس کو استعمال کریں جس میں احکام لباس سے متعلق ممنوعات و محذورات میں سے کوئی محذور نہ پایا جاتا ہو اور وہ لباس مسلم و غیر مسلم دونوں میں رواج پا گیا ہو تو اگرچہ وہ بلا کراہت جائز الاستعمال ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن یہ ضروری ہے کہ اس میں کسی غیر مسلم قوم کے خصوصی امتیاز کی مشابہت نہ پیدا ہو اور اگر اس سلسلہ میں ان کی جانب سے کسی قسم کا امتیاز پیدا کیا گیا ہو تو اسلامی تمدن واجب قرار دیتا ہے کہ اس کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ غیر مسلم کے امتیاز کی مخالفت ہو جائے۔ خواہ اس میں اپنی جانب سے کوئی امتیاز پیدا کر دے یا غیر مسلم امتیاز کو اس میں سے مٹا دے۔

بہرحال لباس سے متعلق یہ مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ اس میں عموماً افراط اور تفریط سے کام لیا جا رہا ہے کہیں سدِ ذرائع کے پیشِ نظر مباح اور جائز لباس کو بھی "من تشبہ بقوم" کی حدیث پیش کر کے ممنوع قرار دیدیا ہے اور کہیں غیر مسلم اقوام خصوصاً یورپین اقوام کی تہذیب نو کی کورانہ تقلید میں اسلامی احکام کو پسِ پشت ڈال کر اس سلسلے کے ہر طریقِ عمل کو اختیار کیا جا رہا ہے اور لباس سے متعلق اسلام کی بیان کردہ شرائط کو نذرِ تغافل و استخفاف کیا جا رہا ہے۔ کوئی انکارِ حدیث کے پردہ میں ان قیود و شروط سے آزاد ہو رہا ہے تو کوئی فقہائے اسلام پر زبانِ طعن کھول کر اپنی مرضیات اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کر رہا ہے پس اگر ایک جویائے حق اعتدال اور قوتِ فکر کے ساتھ ان سطور کا مطالعہ کرے گا تو اس کے سامنے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آجائے گی کہ اسلام ایک جانب اپنے پیروؤں کو آزاد رکھتا ہے کہ وہ اپنے ملکی اور موسمی حالات کے پیشِ نظر صحت یا معتدل زینت کے حصول کی خاطر جس قسم کا لباس چاہیں استعمال کریں اور دوسری جانب وہ چند ایسی آسان مگر فطری قیود عائد کرتا ہے کہ جو انسان کو بداخلاقیوں سے بچاتی ہیں" تمام مسلمانوں کو ایک عالمگیر مساواتِ تمدن کی دعوت دیتا ہے اور یہ طریقہ بلاشبہ نہایت مفید اور اجتماعی حیاتِ ملّی کے لئے بقا و دوام بخشنے والی ہے۔

الحاصل اسلام نے اپنے دیگر شعبہ ہائے تمدن کی طرح "لباس سے متعلق" بھی ایسے چند اصول بیان کر دیئے ہیں جو بسہولت تمام مسلمانوں کو ایک شیرازہ تمدن میں منسلک کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی اس نے مختلف ممالک کے موسمی اور ملکی تمدن کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا ہے تاکہ ہر ایک باشندۂ ملک اپنے ملکی تمدن کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مستفید ہوتے ہوئے اسلامی تمدن کی وحدتِ عام کا ممتاز فرد بن سکے اور اسلام کے بیان کردہ اصول کی فہرست یہ ہے "مسلمان" خواہ کسی ملک کا یا ملک کے کسی حصہ خاص کا باشندہ ہو اپنے ملکی اور صوبائی تمدنی لباس میں ہر قسم کے لباس کو استعمال کرنے میں مختار ہے بشرطیکہ اس میں ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے۔

(۱) مردوں اور عورتوں کے بیان کردہ احکامِ ستر کے خلاف نہ ہو۔

(۲) لباس میں "اسبال" نہ ہو یعنی مردوں اور عورتوں کے ستر اور جواز استعمال کی جو حدود بیان کی گئی ہیں ان حدود سے آگے بڑھ کر حدِ اسراف کو نہ پہنچتا ہو۔

(۳) مردوں کے لئے ریشمی لباس کا استعمال ممنوع ہے۔

(۴) عورتوں کے لئے ایسا باریک لباس ممنوع ہے جو ساتر بدن نہ ہو۔

(۵) وہ لباس کسی غیر اسلامی ملت کا مذہبی شعار نہ ہو۔

(۶) وہ کسی غیر مسلم قوم کا مذہبی نقطۂ نظر سے قومی شعار نہ ہو یعنی خواہ اس میں کوئی مذہبی نشان نہ پایا جاتا ہو مگر اس کا استعمال ایک خاص مذہب کے پیروؤں نے اپنی مذہبی قومیت کا شعار یا نشانِ امتیاز بنا لیا ہو۔

(۷) ایسا قومی لباس اسی وقت تک اس ملک یا صوبہ کے لئے ممنوع رہے گا جب تک کہ اس میں یہ امتیاز باقی رہے اور اگر یہ امتیاز کسی وجہ سے باقی نہیں رہا یا اس لباس کو مسلمانوں نے اس طرح استعمال کیا کہ اس میں کوئی اضافہ یا کمی کر کے اس میں اپنا امتیاز پیدا کر لیا تو اس کا استعمال درست ہو جائیگا۔

عورت کی حیثیت

اسلامی تمدن کا ایک اہم باب "اسلام میں عورت کی حیثیت" بھی ہے۔ ہم بار بار نظائر اور شہادات کے ذریعہ یہ ثابت کرتے رہے ہیں کہ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے اس کے احکام کی اساس و بنیاد میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیشہ "فطرت" ہی کارفرما رہتی ہے۔ "فطرت" ایسی حقیقت کا نام ہے جو انسانوں کے خود ساختہ قوانین سے بالاتر اور وضعیت کی پابندیوں سے آزاد رہ کر عقل کو اپنا وجود تسلیم کراتی ہو۔ تم کہتے ہو کہ آگ جلاتی ہے پانی ٹھنڈک پہنچاتا ہے، سورج گرمی بخشتا ہے۔ چاند کی چاندنی خنک ہوتی ہے تو یہ کہتے وقت تم کیا خیال کر کے کہتے ہو؟ تمہارا جواب یہ ہے کہ فطرت (قانون قدرت) نے ان اشیاء کو یہی تاثیرات بخشی ہیں مگر اس سے ایک قدم آگے بڑھا کر ایک "خدا پرست" یہ کہتا ہے کہ خالقِ کائنات نے ان کو اسی فطرت پر بنایا ہے۔

بہر حال منکر خدا ہو یا خدا پرست یہ ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ اسباب و مسببات کے درمیان یہ قدرتی رابطہ بلاشبہ ہمارے اپنے خود ساختہ قوانین اور وضعیت سے بالاتر ہے اور اس لئے اس کے متعلق "یہ کیوں ہے؟" کے سوال کے جواب میں بمصداق سے فکر ہر کس بقدر ہمت اوست "کوئی "مادہ" اور اس کی "طبعی حرکت" پر ٹھہر جاتا ہے اور کوئی صداقت کی روشنی ہاتھ میں لے کر "خدا کی ہستی تک" پہنچ جاتا ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو اسلامی تمدن نے "عورت کی حیثیت" سے متعلق احکام میں بھی فراموش نہیں کیا اور اس کو باحسن حالت پیش رکھ کر اس مسئلہ میں وہی راہ اختیار کی جو "فطرت کے عین مطابق" اور افراط و تفریط سے محفوظ اعتدال کی راہ ہے۔

اس نے بتایا کہ بہ تقاضائے فطرت عورت کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ وہ "انسان" ہے اور دوسری یہ کہ وہ نوع انسانی میں سے مرد سے الگ ایک "ممتاز صنف" ہے۔ اسی لئے عام بول چال میں انسان کی ان دو جدا جدا اصناف کو مرد اور عورت کے نام سے پکارا جاتا ہے اور ادبی زبان میں ان کو "صنفِ کرخت" اور "صنفِ نازک" کہتے ہیں۔

"عورت" انسان ہے یہ ایک بدیہی بات ہے جس کے لئے دلائل سے زیادہ حقیقت کا مشاہدہ سب سے بڑی دلیل ہے لیکن وہ انسان ہوتے ہوئے بھی "مرد" سے جدا صنف ہے۔ یہ بات بھی اس درجہ واضح ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ دونوں ہی اس حقیقت کے لئے زبردست برہان ہیں کیونکہ یہ دونوں باتیں عو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی فطرت میں داخل ہیں اور اسی لئے جب لفظ "عورت" بولا جاتا ہے تو تعلیم یافتہ اور ان پڑھ جاہل دونوں اس حقیقت کے متعلق یکساں ہی تصور کرتے ہیں یعنی اس کے انسان ہونے اور صنفی خصوصیات میں مرد سے ممتاز ہونے ان دونوں باتوں کا ملا جلا تصور ایک ساتھ ہی ذہن میں آجاتا ہے۔

پس جبکہ یہ حقیقت مسلّم ہے کہ "عورت" انسان ہونے کے باوجود اپنے اندر فطری طور پر بعض ایسی خصوصیات رکھتی ہے جو اس کو "مرد" سے ممتاز کرتی اور اس سے جدا "صنف" بناتی ہے تو ضروری ہے کہ دین اور مذہب کے احکام میں بھی "عورت" اور "مرد" کی مشترک اور ممتاز دونوں حیثیتوں کا لحاظ رکھا جائے۔ لہذا "اسلامی تمدن" میں عورت کے "حقوق و فرائض کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا" "انسانی حقوق و فرائض" اور "صنفی حقوق و فرائض"

اسلامی تمدن اس کے بعد یہ حکم لگاتا ہے کہ جہاں تک انسانی حقوق و فرائض کا تعلق ہے اس میں مرد اور عورت دونوں مساوی حیثیت میں ہیں اور اس حیثیت میں دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں ہے۔ البتہ جہاں تک صنفی حیثیت کا تعلق ہے تو اس میں دونوں اصناف پر اسی قسم کے جدا جدا احکام عائد ہیں جو ان کے فطری امتیازات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور چونکہ عام انسانی حقوق کے مقابلہ میں صنفی امتیازی حقوق چند ہیں اس لئے ان کا بیان کر دینا ہی کافی ہے کیونکہ ان کے علاوہ باقی تمام حقوق "انسانی حقوق" ہیں۔

پس عنوانِ زیرِ بحث کے پیشِ نظر ہم عورت کے امتیازی صنفی حقوق میں سے بھی یہاں صرف ان ہی حقوق کا ذکر کریں گے جن کا تعلق براہِ راست "تمدن" سے ہے اور باقی ضمنی حقوق کو زیرِ بحث نہیں لائینگے

عورت اور حقوق تمدن

اسلام سے قبل تمدنی حقوق میں عورت کی کیا حالت تھی اور دنیا کی قوموں میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا تھا؟ سب سے پہلے اس سے متعلق تاریخ ماضی کا مطالعہ ازبس ضروری ہے تاکہ اسلامی تمدن میں عورت کی حیثیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام سے قبل دنیا کے مشہور مذاہب و ملل اور قوموں کے مشہور تمدن تین تھے۔ روما کا تمدن جو عیسائیت کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا۔ ایران کا تمدن جو مجوسی مذہب بلکہ مزدک کی تعلیم کا رہین منت تھا۔ ہندی تمدن جو کہ ویدک دھرم یا منو کے قانون کے زیر اثر کارفرما تھا۔ جب اسلام نے اپنے اصلاحی اور تبلیغی مشن کا افتتاح کیا ہے تو اس وقت یہی تین تمدن تھے جو دنیا کی اقوام پر کم و بیش فرق سے کارفرما تھے ان تینوں تمدنوں میں عورت کی حیثیت اس درجہ ابتر اور خراب تھی کہ جو آج کی دنیا کے لئے باعث حیرت بنی ہوئی ہے اور اس کے باور کرنے کو دل قبول نہیں کرتا مگر چونکہ وہ تاریخی حقائق اور بے لاگ واقعات ہیں اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

"رومن امپائر میں تو عیسائی پادریوں کی ایک کانفرنس صرف اس لئے منعقد کی گئی تھی کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ عورت کیا مرد کے لئے ایک طرح کا مال ہے جس پر اس کو ہر قسم کا تصرف حاصل ہے یا در حقیقت وہ بھی مرد ہی کی طرح ایک انسان ہے اور اگر انسان ہے تو سوسائٹی میں اس کا کیا درجہ ہے؟ اس کانفرنس میں جو کہ غالباً ایک مہینہ سے زیادہ تک چلتی رہی کافی غور و خوض کے بعد اکثریت سے یہ طے پایا کہ عورت اگرچہ مال کی طرح کی شے نہیں ہے اور وہ ضرور انسان ہے لیکن اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ وہ مرد کی حاجات انسانی کے لئے ایک آلۂ کار ہے اور اس لئے وہ ان تمام انسانی حقوق سے محروم ہے جو مرد کو بحیثیت انسان حاصل ہیں یعنی وہ جائداد منقولہ و غیر منقولہ پر نہ ذاتی طور سے کوئی تصرف کر سکتی ہے نہ پراپرٹی کی مالک بن سکتی ہے نہ اپنے نام سے روپیہ جمع کر سکتی ہے اور نہ مہر و وراثت کی مالک ہو سکتی ہے اور نہ خود کو کسی مرد کے ساتھ ازدواجی رشتہ میں منسلک کرنے کی بطور خود کسی طرح مجاز ہے۔"

ایران کے تمدن نے تو اس سے بھی آگے ایک قدم بڑھا کر مزدک کے اس اصول کو بھی تسلیم کر لیا اور اس کو رائج کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا کہ "عورت" صرف مرد کے جنسی تعلقات کا ایک آلہ ہے اور اس لئے وہ بہن ہو یا بیٹی اپنے جنسی تعلقات میں بھائی اور باپ کے لئے بھی "عورت" ہی ہے اور نہ صرف یہ بلکہ یہ کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورت ایسا مال ہے جو نکاح یا ازدواجی بندھن کی قیود سے آزاد ہر مرد کے تمتع اور فائدہ اٹھانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے" اس لئے وہاں عورت کے لئے انسانی حقوق تمدن کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا تھا؟"

ہندوستان میں بھی اسلام سے قبل عورت سے متعلق تمدنی حالت بدسے بدتر تھی وہ حقوقِ وراثت سے محروم تھی، شوہر کے ہمہ قسم مظالم اور ہولناک مفاسد کے باوجود وہ عمر بھر کے لئے اس کی قید میں مقید تھی اور اس کو طلاق کا حق نہیں تھا۔ بیوگی کے بعد اس کو مردہ شوہر کے ساتھ چتا میں بیٹھ کر ستی ہونا (زندہ جل جانا) پڑتا تھا ورنہ اس کی حیثیت میکے اور سسرال دونوں گھرانوں میں حیوانوں سے بھی بدتر سمجھی جاتی تھی وہ نہ افرادِ خاندان کے ساتھ بیٹھ کر ہنس بول سکتی تھی نہ ان کی مجالس کی مسرتوں میں حصہ لے سکتی تھی اور نہ کھانے پینے کی معاشرت کی اجتماعی امور میں اس کا کوئی حصہ تھا بلکہ منحوس قرار دے کر اس کے ساتھ "اچھوت" کا سا معاملہ کیا جاتا تھا۔

عورت کی حیثیت سے متعلق یہ حالات اس وقت تھے جبکہ اسلام کی دعوت اصلاح و انقلاب نے اپنی صدائے رحمت کو بلند کیا اور کائنات امم و اقوام کے اس ظالمانہ تمدن کو مٹا کر ایک ـ ـ ـ عادلانہ اور صالحانہ تمدن کی بنیاد ڈالی جس میں عورت کی حیثیت سے متعلق اس نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر فطری اصول کے مطابق احکام بیان کئے۔ اس نے کہا کہ انسانی حقوق میں عورت اور مرد دونوں مساوی ہیں۔ اس لئے "عورت" خرید و فروخت، لین دین، وراثت و ہبہ، تملیک و عاریت، جنگ و صلح، وقف و قرض، حدود و قصاص، نکاح و طلاق، غرض مال، دیوانی اور فوجداری معاملات بیع و شراء اور حقوق ملکیت و عاریت کے قضایا، ان سب تمدنی معاملات میں بحیثیت حقوق کے وہ مرد کے مساوی اور ہم پلہ ہے اور ان میں سے بعض امور میں اگر قدرے فرق نظر آتا ہے تو وہ اس لئے نہیں کہ اس کی انسانیت مرد کی انسانیت کے مقابلہ میں پست ہے بلکہ دراصل وہ فرق صرف صنفی حیثیت کی وجہ سے ہے جس کا ذکر عنقریب آنے والا ہے۔

نیز وہ کہتا ہے کہ صنفی امور میں البتہ عورت اور مرد کے حقوق میں بلا شبہ تمایز ہے اور وہ امتیاز بالا و پست کے اصول پر نہیں بلکہ فطرت کے عطا کئے ہوئے فرق کی بنا پر ہے اور اس لئے اس کو نظر انداز کرنا فطرت کو چیلنج کرنے کے

© rasailojaraid.com

کجروی اختیار کرنا ہے۔ پس اسلامی تمدن میں عورت کی اس صنفی حیثیت کے پیشِ نظر اس کے لئے حسب ذیل احکام ضروری قرار دیتا ہے۔

پردہ | اسلامی تمدن میں اجنبی عورت اور مرد کے درمیان اختلاط ممنوع اور حرام ہے اس لئے کہ یدِ قدرت نے عورت کی جنسی حیات میں قبول و تاثر کی استعداد ودیعت کی ہے اور مرد کو "فعال" اور "موثر" بنایا ہے چنانچہ اسی وجہ سے عام طور پر مرد کی بداخلاقی کے نتائج اس کی جسمانی حالت پر اثر انداز ہو کر اس کی رسوائی کا باعث نہیں بنتے لیکن عورت کے لئے نوے فی صدی ذلت اور ہمیشہ کی رسوائی کا سبب بنتے ہیں اور جدید بداخلاق کے دور میں برتھ کنٹرول کے خارجی و داخلی ایجادات کی موجودگی کے باوجود اکثر و بیشتر عورت کو اس جنسی ذلت و خسران اور ہلاکت و تباہی سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوتے اور عورت کے جوہرِ عصمت کو داغدار بنا کر اس کو زندہ درگور بنانے یعنی حیوانی کی زندگی پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ بدیں وجہ عورت کی صنفی نزاکت و تاثر اور استعدادِ قبول اس کی متقاضی ہے کہ اس کے جوہرِ عصمت کے تحفظ کے لئے اس کی ذاتی بلندی اخلاق اور کیرکٹر کی مضبوطی اور خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ خارجی اسباب و وسائل کو بھی لازم قرار دیا جائے اور اس کا بہترین طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ اپنی زندگی اپنے گھر کے اندر گذارے اور گھریلو زندگی کی کفیل و ضامن ثابت ہو اور اگر بضرورت کی وجہ سے باہر نکلنا بھی ہو تو خاص آداب و شرائط کے ساتھ نکلے اور اجنبی مردوں کی تفریح، پارکوں اور ہوٹلوں سینماؤں اور تھیٹروں کی زینت کا باعث نہ بنے۔ اسی حکم کو قرآنِ عزیز نے ان صاف اور واضح الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ — اے نبی کی بیبیو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر
مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا — تم پرہیز گار رہنا چاہتی ہو تو تم کو اجنبی مردوں سے بات
تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي — چیت میں لوچ نہیں پیدا کرنا چاہئے تاکہ ایسا نہ ہو
فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا — کہ جس مرد کے دل میں کھوٹ ہے وہ (بیہودگی طمع)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن — طمع کر بیٹھے۔ اور گفتگو صاف اور سیدھی کرو اور اپنے
تبرج الجاھلیۃ الاولی ۔ — گھروں کے اندر رہا کرو اور زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ
(احزاب) — سنگھار کے ساتھ باہر نہ نکلو۔

اس آیت میں اگرچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے خطاب ہے لیکن اس حکم کی جو علت بیان کی گئی ہے اس کے پیش نظر یہ حکم تمام مسلمان عورتوں کے لئے یکساں ہے یعنی "اجنبی مرد کے قلب میں برائی کے لئے طمع پیدا ہونے کا سبب نہ بننا اور زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ گھومنے نہ پھرنا" البتہ اس سے قبل کی آیت میں ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ خطاب کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ برائی اور بھلائی دونوں کے معاملہ میں ازواج مطہرات کا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ پاک کی بنا پر بہت زیادہ اہم ہو گیا ہے پس اگر وہ کسی برائی کا اقدام کرتی ہیں تو عام مسلمان عورتوں کے مقابلہ میں دوہرے عذاب کی مستحق ہیں اور اگر وہ بھلائی پر گامزن ہوتی ہیں تو شرف صحبتِ نبوی کی وجہ سے دوہرے ثواب و اجر کی مستحق ہیں غرض ان کا معاملہ عام عورتوں کے مقابلہ میں صرف اس لحاظ سے ممتاز ہے یہ نہیں ہے کہ احکامِ اسلامی کے بنیادی مقاصد میں بھی وہ اور مسلم عورتیں جدا جدا احکام رکھتی ہیں۔ چنانچہ اسی حقیقت کو ادا کرتے ہوئے سورۂ احزاب کی ان آیات کو بیان کیا گیا۔

یٰنساء النبی من یات منکن — اے نبی کی بیبیو! جو تم میں سے صاف اور ظاہر
بفاحشۃ مبینۃ یضٰعف لھا — بے حیائی کی مرتکب ہوگی تو اس کے لئے (عام مسلم
العذاب ضعفین وکان ذلک — عورتوں کے مقابلہ میں) دو چند عذاب تیار کر دیا گیا ہے
علی اللہ یسیرا ومن یقنت منکن للہ — اور اللہ تعالیٰ پر یہ بہت آسان ہے اور جو کوئی تم میں سے
ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا — اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اور نیک
مرتین واعتدنا لھا رزقا کریما (احزاب) — عمل کرے تو ہم اس کو دو چند ثواب اور اجر عطا کریں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرض پردہ کی آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کی زندگی باہر کے لئے نہیں بلکہ گھریلو فرائض کے لئے ہی ہے بلکہ اس کی آواز کو بھی اس حد تک پردہ کا جزو بنا دیا گیا کہ اس میں اجنبی مرد کے ساتھ بوقت ضرورت بات چیت میں ایسا لوچ نہ پیدا ہونے پائے کہ صورت وشکل کے دیکھے بغیر بھی کسی کھوٹے انسان کے دل میں لذت اندوز ہونے کی ہوس پیدا ہو جائے۔ البتہ ضرورت کے لئے ایسی سادگی کہ جو دوسروں کے لئے باعث رغبت وکشش نہ ہوسکے خاص آداب وشرائط کے ساتھ کبھی کبھی باہر نکلنے کی اجازت بھی دی گئی ہے جس کو ہم عنوان "لباس" کی بحث میں ذکر کر آئے ہیں اور جو "آیات متعلقہ احکام ستر" کہلاتی ہیں۔ چنانچہ خود "ازواج مطہرات سے بھی" کہ جن کو پردہ کی اس آیت میں براہ راست خطاب کیا گیا ہے بوقت ضرورت قرآن کے بیان کردہ آداب وشرائط کے ساتھ باہر نکلنا ثابت ہے۔

مسند بزار کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ پردہ (حجاب) کی آیت نازل ہونے کے بعد ایک مرتبہ حضرت سودہ (رضی اللہ عنہا) زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت سے باہر نکلیں۔ راہ میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) گذر رہے تھے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اگرچہ تمام بدن کو چھپائے ہوئے جا رہی تھیں مگر آیتِ حجاب کے نزول سے قبل چونکہ حضرت عمر ان سے واقف تھے لہٰذا وہ قد وقامت سے پہچان گئے اور ان کو یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ آیت حجاب کے بعد بھی مسلمان عورتیں خصوصاً ازواج مطہرات باہر نکلیں گو شدید ضرورت سے ہی ہو اور تمام شرائط وآداب کی پابندی کے ساتھ ہو، اس لئے انھوں نے چلا کر کہا کہ "سودہ! میں نے تم کو پہچان لیا۔" حضرت سودہؓ نے اس واقعہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔

انہ قد اذن لکنّ ان تخرجن لحاجتکن۔ (جمع الفوائد)

تم کو اجازت دی گئی ہے کہ ضرورت کے وقت باہر نکل سکتی ہو۔

یہ "اجازت" موجودہ زمانہ کی بے پردگی کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتی اس لئے کہ اس زمانہ میں عورتوں کے باہر نکلنے کی غرض وغایت گھریلو زندگی سے بھی زیادہ زیب وزینت اور اظہار حسن ونمائش کے ساتھ پارکوں، ہوٹلوں، سنیماؤں کی مخلوط مجالس کی رونق بننا ہے اور اس کو نصّ قرآنی نے "تبرجِ جاہلیہ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہہ کر حرام قرار دیدیا ہے اور اسلامی تمدن میں اس خروج کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بہرحال عورت کے لئے باہر کی زندگی سے اجتناب اور گھر کے اندر کے اختیار کو صاحبِ شریعت کی نگاہ کس درجہ اہم سمجھتی ہے اس کا اندازہ ان احادیث سے بآسانی ہو سکتا ہے۔

صلوٰۃ المراءۃ فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا و صلاتھا فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا۔ (ابوداؤد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت کا گھر کی کوٹھری میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ گھر کے دالان میں پڑھے اور گھر کے دالان میں پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ گھر کے صحن میں پڑھے۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المراءۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطان۔ (ترمذی)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت اجنبی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کی چیز ہے اس لئے جب وہ گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں رہتا ہے۔

قرآنِ عزیز کی آیات اور احادیث کی نصوص سے اب یہ بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اسلامی تمدن میں عورت کے لئے پردہ (حجاب) کس درجہ ضروری امر ہے اور یہ کہ پردہ کو اصل حکم قرار دیتے ہوئے اسلام نے عورت کو بوقت ضرورت جن حدود و شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے اس کا اس بے پردگی سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے جو یورپ کی کورانہ تقلید میں اس آزادی کے دور میں عورت کے لئے زندگی کا جزء اعظم قرار دے کر اس کو پارکوں اور ہوٹلوں کی زینت بنایا جا رہا ہے اور علوم قرآنی سے ناواقفِ محض ہونے کے باوجود "الا ما ظھر" سے اس بے حیائی کا جواز تلاش کیا جا رہا ہے۔ (العیاذ باللہ)

اس حکم کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ اسلامی تمدن میں ایسے لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کا طریقہ بھی حرام اور ممنوع ہے جن میں لڑکیاں ایسی عمر کو پہنچ گئی ہوں جو فقہی اصطلاح میں "مراہق" کہلاتی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عام بول چال میں نا سمجھ بچی کی زندگی سے نکل کر لڑکی کہلانے کے قابل ہوگئی ہو۔[۱]

طلاق عورت کے صنفی امتیازات خصوصی کے پیش نظر اسلامی تمدن نے عورت کو "طلاق" کے الفاظ بولنے کا حق نہیں دیا اس لئے کہ بحیثیت صنفی نزاکت کے اس صنف میں عجلت اور جلد تاثر کا مادہ ودیعت کیا گیا ہے چنانچہ یورپ جدید کا تجربہ شاہد ہے کہ جب انھوں نے اسلامی معاشرت کی خوبیوں سے متاثر ہو کر حقوق نسواں دینے کے لئے قدم اٹھایا تو وہ اتنے آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے طلاق کا حق عورت کے سپرد کر دیا مگر امریکہ اور انگلینڈ اور فرانس کے نکاح وطلاق کے سالانہ اعداد وشمار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں طلاق کی اس درجہ کثرت ہوگئی کہ بعض بعض شہروں میں تو پچاس اور ساٹھ فیصدی تک پہنچ گئی ہے اور یہ صرف اس لئے کہ عورت کی فطرت میں زود تاثری کا مادہ موجود تھا اور جب طلاق اس کے ہاتھ میں آگئی تو روزمرہ کی معمولی معمولی باتوں پر اس نے شوہر سے طلاق حاصل کرنا شروع کر دیا مگر پھر بھی یہ فرق رہا کہ یورپ جدید نے بھی عورت کو براہِ راست یہ حق طلاق نہیں دیا بلکہ جج کے ذریعہ سے طلاق حاصل کرنے کا حق تسلیم کیا۔

اس کے برعکس اسلام نے ایک صحیح اور معتدل طریقہ یہ رکھا کہ ایک جانب طلاق کے لفظ کے ادا کو مرد کے ہاتھ میں دیا تو دوسری طرف عورت کو بھی یہ حق دیدیا کہ وہ اگر شوہر کے برے اخلاق وعادات یا خبیث قسم کی جسمانی بیماریوں، یا ادا حقوق نسواں کی قصداً یا مجبوراً کوتاہیوں کی بنا پر شوہر سے جدا ہونا چاہتی ہے تو اس کو اسلامی جج کے ذریعہ خود کو شوہر سے جدا کر لینے کا قطعی حق ہے اس طرح "خلع" کے نام سے بھی یہ حق دیا کہ وہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو مسلمان جج کی عدالت میں مرافعہ کر کے اپنے حق طلاق کو حاصل کر سکتی ہے۔

شہادت اسی طرح باب شہادت میں عورت کی جنسی اور صنفی کمزوریوں کا لحاظ رکھکر دو عورتوں کو ایک مرد کے مساوی رکھا گیا ہے چنانچہ قرآن عزیز میں صاف یہ حکم موجود ہے۔

---

[۱] ملکی اور موسمی نشو ونما کے لحاظ سے ایسی لڑکیوں کے لئے عمر کی تحدید کا مسئلہ وقت کے علمائے حق کے فیصلہ پر موقوف اور واجب العمل ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذکر احداهما الاخری۔ (بقرہ)

پس اگر دو مرد نہ ہوں تو (گواہی کے لئے) ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں جن کو تم پسند کرو کہ وہ شاہد نہیں (اور یہ اس لئے کہ) کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے۔

یعنی جسمانی ساخت میں مرد و عورت کا جو ظاہر فرق ہے اس نے عورت کے مزاج کو مرد کے مقابلہ میں فی الجملہ کمزور بنا دیا ہے اور مرد کی مردانہ قوت بڑی حد تک صنف کرخت کی قوت حافظہ کے لئے ضامن ہے۔ صنفی اعتبار سے عموماً عورتوں کا حافظہ مردوں کے مقابلہ میں کمزور ہوتا ہے اور یہ بات دلیل سے زیادہ مشاہدہ اور تجربہ سے تعلق رکھتی ہے۔ رہا بعض عورتوں کا بعض مردوں سے قوتِ حافظہ میں بڑھ جانا تو یہ افراد کا مسئلہ ہے پوری صنف کا مسئلہ نہیں ہے اور اجتماعی احکام افراد کی خصوصیات و امتیازات سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ صنف و جنس کے امتیاز سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔

وراثت نیز وراثت کے بعض حالات میں عورت کو مرد کے مقابلہ میں نصف حصہ پانا عورت کے نقص کے اصول پر نہیں ہے بلکہ وراثت کے مقصد کے اصول پر مبنی ہے مثلاً ایک شخص نے اگر ایک لڑکا اور دو لڑکیاں وارث چھوڑے ہیں تو لڑکے کو دہرا اور لڑکیوں کو اکہرا حصہ ملیگا۔ یعنی چار روپیہ میں دو روپیہ لڑکے کے اور ایک ایک روپیہ دونوں لڑکیوں کا۔ تو یہ اس لئے ہے کہ لڑکا اپنی زندگی کے مراحل میں عام طور پر دوہری ذمہ داری کا بار اٹھاتا اور ضامن بنتا ہے ایک اپنی زندگی کا اور ایک اپنی بیوی کی زندگی کا جس میں مہر اور نفقہ جیسی اہم ذمہ داریاں شامل ہیں اور لڑکی نہ صرف یہ کہ دوسرے کا بار نہیں اٹھائے گی بلکہ عام حالات میں اس کا بار کفالت بھی دوسرے کے ذمہ عائد ہوگا یعنی اس کا شوہر اس کے نفقہ کا ذمہ بنے گا۔ لہذا فطرت کا تقاضہ یہ تھا کہ جس طرح یہ ضروری ہے کہ ماں باپ کے ترکہ میں سے لڑکے کی طرح لڑکی بھی حقدار ہو اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جس پر جس درجہ مالی ذمہ داری عائد ہونے والی ہے اسی مناسبت کے

۱۲ ۹ ۸۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ اس کو ترکۂ پدری یا مادری سے حق وراثت ملنا چاہیے۔

اسلامی تمدن میں زن و شوہر کے باہمی تعلقات میں اگرچہ انسانی حقوق و فرائض میں مرد و عورت دونوں کو برابر قرار دیا گیا ہے لیکن صنف نازک کے نفقہ، مہر اور حفاظتِ نفس و عصمت کی جو ذمہ داری عائد کر کے مرد کو اس کا قوام بنا دیا ہے اس کے پیش نظر مرد کو فی الجملہ عورت پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔

وللرجال علیھن درجہ (بقرہ) اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ کی بڑائی حاصل ہے

الرجال قوامون علی النساء ہم نے مردوں کو عورتوں کا سربراہ اور کارفرما بنایا ہے

لیکن ساتھ ہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ وہ اس فضیلت جزئی کے یہ معنی ہرگز نہ سمجھیں کہ اس طرح ان کو عورتوں پر حقِ ملکیت حاصل ہو گیا ہے اور وہ ان کے ساتھ باندیوں کا سا سلوک کرنے کے حقدار ہیں بلکہ جو ایسا کرتے ہیں وہ اسلامی تمدن سے قطعاً عاری اور خدا اور رسول کے سامنے سخت مجرم ہیں۔ چنانچہ ارشاد مبارک ہے۔

الا واستوصوا بالنساء خیراً آگاہ رہو کہ تم مجھ سے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت

فانما ھن عوان عندکم لیس حاصل کرو۔ بلاشبہ وہ تمہاری معاون و مددگار ہیں اور

تملکون منھن شیئاً (الحدیث) ترمذی تم ان کے مالک نہیں بنا دیئے گئے۔

خیرکم خیرکم لاھلہ وانا تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر

خیرکم لاھلی (او کما قال) مسند احمد ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں۔

غرض " عورت کی حیثیت سے متعلق " اسلامی تمدن اس دور جاہلیت کی وحشت و بربریت کا بھی دشمن ہے جو اسلام کی دعوتِ انقلاب سے قبل دنیا کی قوموں میں عورت کی ذلت و حقارت کا علمبردار تھا اور اس دور جدید کی یورپین تہذیب و معاشرت کا بھی سخت مخالف ہے جس نے عورت کو آزادی کے نام سے مردوں کی تفریح اور ان کی جنسی خواہشات کی تکمیل کا محض آلہ کار بنا دیا ہے اگرچہ ظاہر نظر میں اس کے نمائشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعزاز کو ضرور بڑھا دیا ہے۔ بلکہ وہ جاہلیت کی ان دونوں راہوں سے الگ عورت کے انسانی اور صنفی دونوں فطری اوصاف کا صحیح وزن کر کے ایک ایسی معتدل راہ کا داعی ہے جو ایک جانب عورت کے حقوق و فرائض اور مردوں کے ساتھ انسانی حقوق کی مساوات کو تسلیم کرتا ہے اور دوسری جانب اس کے صنفی امتیازات کے فطری تفاوت کے پیش نظر اس کی زندگی کو پاک بنانے کے لئے چند حدود و شرائط عائد کرتا ہے اور اس لئے تمدن کے اس شعبہ میں بھی اس کو دوسری اقوام اور دوسرے ملل و ادیان کے تمدن سے امتیاز حاصل ہے اور اس خاص اور اہم مسئلہ میں بھی اس کا "ترازو" اعتدال سے متجاوز نہیں ہے۔

ازدواج بین الملل یا سیول میرج

اسلام کے چند اہم اساسی مقاصد میں سے ایک مقصد شرک اور بت پرستی کا انسداد ہے اس لئے اس نے اس سلسلہ میں تبلیغ اور ترہیب و ترغیب کے علاوہ جہاں اور ایسے احکام بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے مسلمان کے گھر میں شرک اور بت پرستی کے کسی بھی جرثومہ کا گذر نہ ہونے پائے وہیں ایک یہ بھی حکم دیا ہے کہ مسلمان مرد اور عورت دونوں کا کسی بت پرست کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم کیا گیا تو افراد خاندان کسی حالت میں بھی اس کے اثرات بد سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور ماں یا باپ میں سے کسی ایک کا بت پرست ہونا اولاد اور نسل پر یا لامذہبیت کا باعث ہوگا۔ اور یا اسلام اور بت پرستی کی دورنگی پیدا ہو جائے گی حالانکہ اسلام کسی حالت میں بھی شرک اور بت پرستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا چنانچہ قرآن عزیز میں یہ حکم بھی واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

ولا تنکحوا المشرکاتِ حتیٰ یؤمن	اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جبتک وہ
ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ	ایمان نہ لے آئیں اور ایک آزاد مشرک عورت
ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین	سے مسلمان باندی بہتر ہے گو تم کو مشرکہ اچھی معلوم
حتیٰ یؤمنوا، ولعبد مومن خیر	ہوتی ہو۔ اور مشرک مردوں سے ہرگز نکاح نہ کرو
من مشرک ولو اعجبکم اولئک	جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور مسلمان غلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یدعون الی النار واللہ یدعو	ایک مشرک آزاد مرد سے بہتر ہے اگرچہ تم کو وہ مشرک اچھا
الی الجنۃ والمغفرۃ باذنہ	لگتا ہو یہ مشرک جہنم کی راہ پر بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
(الآیہ) (بقرہ)	جنت کی اور مغفرت کی جانب بلاتا ہے اپنے حکم سے۔

البتہ اس سلسلہ میں صرف ایک حالت کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے وہ یہ کہ اگر مسلمان مرد چاہے تو عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح کر سکتا ہے، یہ حکم اگرچہ بظاہر اس قانون کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو" شرک" کے سلسلہ میں ابھی بیان ہو چکا اور جس کے متعلق قرآن کی آیات مسطورہ بالا بھی صراحت کرتی ہیں مگر قانون کا یہ استثنا اس اصول پر رکھا گیا ہے کہ قرآن نے عیسائیوں اور یہودیوں کو" اہل کتاب" قرار دیا ہے۔ یہ وہ اقوام ہیں جن کے انبیاء و رسل اور الہامی کتابوں کا قرآن نے نام لیکر ذکر کر دیا ہے اور وہ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس لئے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان بت پرست قوموں کے مقابلہ میں عقائد کے لحاظ سے فی الجملہ نزدیکی ہے اور ان کے قبول اسلام کی زیادہ توقع ہے۔ لہٰذا اگر ان کی عورتوں سے نکاح کر لیا جائے تو مرد کا عیسائی یا یہودی بن جانے کے مقابلہ میں یہ زیادہ توقع ہے کہ کتابی عورتیں اس نکاح کی بدولت اسلام کی صداقت سے متاثر ہو کر بخوشی اسلام قبول کر لیں اور مسلمان عورتوں کو کتابی مرد سے اصل قانون کے مطابق نکاح حرام رہا تا کہ وہ مرد کی سربراہ کاری سے متاثر ہو کر اسلام کی صداقت کو ماحول کی نذر نہ کر دے۔ چنانچہ قرآن عزیز نے اس استثناء کے متعلق بھی یہ ارشاد فرما دیا ہے۔

والمحصنٰت من المؤمنٰت	اور تمہارے لئے نکاح کرنا حلال ہے مسلمان پاکدامن
والمحصنٰت من الذین اوتوا	عورتوں سے اور ان پاکدامن عورتوں سے جن کو تم سے پہلے
الکتاب من قبلکم۔	خدا کی کتاب دی گئی ہے (یعنی یہودی اور عیسائی عورتوں سے)

مگر قرآن نے اس آیت میں کتابیہ سے ایک مسلمان کے نکاح کو بیان جواز کی حد میں رکھا ہے چنانچہ فاروق اعظمؓ اور بعض دیگر جلیل القدر صحابہ کتابیہ سے نکاح کے جواز کے قائل ہوتے ہوئے مصالح امت مسلمہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش نظر اس قسم کے ازدواجی رشتوں کو ناپسندیدہ سمجھتے رہے۔ فاروقِ اعظم کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے۔

لا ازعم انہ حرام ولکنی — میں یہ نہیں کہتا کہ کتابی عورتوں سے نکاح حرام ہے

اخاف ان تعاطوا المؤمنات — لیکن مجھے یہ خوف ضرور ہے کہ کہیں تم ان کے شوق میں

منھن ۔ (ابن کثیر) — مسلمان عورتوں کو نظر انداز نہ کر بیٹھو۔

حضرت عمر (رضی اللہ) کی فطانت اور دینی تدبر کی عظمت کا اندازہ اس زریں قول سے بخوبی ہو سکتا ہے جبکہ آج ہم یہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اہل دول اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ایک معقول تعداد نے کس طرح اس قول کی صداقت کو ظاہر کر رکھا ہے اور کس طرح وہ مسلم خواتین پر یورپ کی لیڈیوں کو ترجیح دے رہے ہیں۔ کیا ترکی کے عثمانی دور حکومت کی اس تاریخ کا کسی طرح بھی انکار کیا جا سکتا ہے کہ آٹھ سو سال کی مدت میں جب کبھی ترکی حکومت کو جنگی مصائب کا سامنا ہوا تو ان موقعوں پر غدار افسروں کی بہت بڑی تعداد ان ہی افراد پر مشتمل نظر آتی ہے جو "دوغلے" یعنی عیسائی اور یہودی عورتوں کی نسل سے تھے۔

غرض اس ایک خاص پہلو میں اگرچہ جواز موجود ہے تاہم امتِ مسلمہ کے مصالح کے پیش نظر بہت سے اکابر امت نے اس پر عملی اقدام کو ہمیشہ خطرہ کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور اس جواز کا استعمال صرف ان ہی صورتوں میں پسندیدہ رہے گا جو اسلام اور مسلم جماعت کے حق میں مضرت رساں ہونے کی بجائے مفید ثابت ہو یا کم از کم مضرت رساں نہ ہونے پائے۔

لہذا ازدواج بین الملل (سول میرج) کا یہ جدید طریقہ کہ جس میں مرد اور عورت کو سلکِ ازدواج میں منسلک ہونے سے قبل جج کے سامنے یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ دونوں کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتے۔ "اسلامی تمدن" میں قطعاً کوئی جگہ نہیں رکھتا اور جو شخص اس ازدواجی زندگی کے لئے مذہب اور دین کو ایک حقیر شے سمجھ کر ٹھکراتا ہے "دین اسلام" بھی اس کو اپنے اعضاءِ جماعت میں سے ایک سڑے ہوئے عضو کی طرح کاٹ کر پھینک دیتا ہے۔ (باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com